R. No. 2196/57 | Regd. No. A. 598

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. 20
Telegrams "ANJUMAN"

قیمت
سالانہ ... روپے
ایک پرچہ
تاریخ اشاعت

جلد ۲۱ - شمارہ ۴۶ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - ۸ دسمبر ۱۹۶۲ء

قاضی معراج دھولپوری

صد و سی مسئلہ

راقم سطور کے کتب خانے میں ۶×۸ ½ کے پیمانے پر ۱۲۹ ورق یعنی ۲۵۸ صفحات کی ایک قلمی بیاض متعدد علمی و مذہبی مسائل اور منظومات پر مشتمل محفوظ ہے جس کے آخر کے کچھ اوراق ضائع ہو گئے ہیں۔ اس میں متفرق اندراج کے علاوہ "سراج المبتدی" "اساس المصلی" "نام حق" اور "شرح نام حق" چار مکمل رسالے بھی شامل ہیں، جن کے آخر میں کاتب نے اپنا نام "سعادت علی ساکن دھولپور" تحریر کیا ہے۔ یہ بزرگ قصبہ ملا پنچ علاقہ گرد گوالیار کے قدیم باشندے تھے، جہاں حضرت محمد غوث گوالیاری قدس سرہٗ اور حضرت شاہ سید حسین ترمزی گوالیاریؒ کی اولاد قدیم الایام سے سکونت پذیر ہے اور عہد شاہی سے قصبۂ مذکور سادات کے انہی دونوں خاندانوں کی جاگیر میں منقسم تھا۔ اُس وقت یہ ایک پُر فضا اور دل آویز کافی بڑا مقام تھا نیز اکبر بادشاہ کا رمنہ بھی رہ چکا ہے مگر اب استبداد زمانہ کے ہاتھوں صرف ایک بڑے گاؤں میں تبدیل ہو کر رہ گیا ہے۔ متذکرہ ہر دو خدا رسیدہ بزرگوں کی بعض اولاد اب بھی وہاں موجود ہے مگر علم و فضل سے معرا محض کاشتکار کی حیثیت میں زندگی بسر کرتی ہے۔ آراضیات بھی اتنی اب اُن کے پاس نہیں، کیونکہ ایک بڑا حصہ دوسروں کے قبضۂ اقتدار میں منتقل ہو چکا ہے۔ کاتب بیاض سید سعادت علی کو راقم سطور کے جد بزرگوار کے ننھیالی رشتے کی ایک صاحبزادی منسوب تھیں۔ بسلسلۂ معافی داری جن کے والدین کا دھولپور مستقر تھا اس لئے جناب کاتب نے بھی یہاں سکونت اختیار کر لی تھی، اور خود کو "ساکن قصبۂ دھولپور" لکھا کرتے تھے۔

مولہ بیاض کے رسائل متذکرہ صدر میں کتابت کی تاریخ سنہ ۱۲۳۳ھ، ۱۲۳۴ھ و ۱۲۳۶ھ مرقوم ہے، جس سے اخذ ہوتا ہے کہ یہ دیئے ہوئے سنین میں یا انہی کے ارد گرد کی تاریخوں میں سپرد قلم کی گئی ہے۔ مخطوطات مشمولہ کی زبان فارسی ہے بجز ایک نظم اور خسرو علیہ الرحمہ کے دو ایک منظوم نسخوں کے۔ نظم بعنوان "صد و سی مسئلہ" قدیم اردو میں بیاض کے چار صفحات پر محیط ہے، اور کمال محمد قاضیؔ کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس موضوع پر اور اور حضرات نے بھی طبع آزمائی کی ہے مگر بعض نے تو اکثر فرائض کے ابتدائی حروف لے کر غریب الفاظ بنا دئے ہیں، اور ان کو عربی ڈھنگ پر شعر کے سانچے میں ڈھال کر رکھ دیا ہے کہ بامداد حروف ابتدائی ہر مسئلے کو ذہن میں محفوظ رکھا جا سکے مگر یہ بلحاظ تلفظ کافی ثقیل ہیں اور محض مبہم اشارات (Synopsis) کی تعریف میں آتے ہیں نیز چیستان سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے جن کا بوجھنا بجائے خود ایک دشوار کام ہے۔ جبکہ دوسرے بعض نے فرائض تو بالتشریح بیان کر دئے ہیں مگر زبان فارسی رکھی ہے کہ یہی اس زمانے کی مروجہ زبان تھی۔ اردو میں اس مضمون پر صرف یہی ایک نظم راقم سطور کی نظر سے گزری ہے۔ جس کے مصنف کے متعلق بجز نام کے اور کوئی حتمی معلومات نہیں ہو سکی۔

بیاض اگرچہ کہ سنین مندرجۂ بالا سے متعلق ہے مگر ضروری نہیں کہ اس کے مشمولات بھی اسی زمانے سے متعلق ہوں کیونکہ تصانیف اور نقول کے وقت میں بُعد کا ہونا ممکنات سے ہے چنانچہ یہاں بھی واقعہ یہی ہے کہ نظم کے اسلوب و زبان سے بطور یقین ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ترقیم بیاض سے بہت پہلے بزمانۂ قدیم معرض تصنیف میں لائی گئی ہے۔ لہٰذا اس کو بسطور ذیل پیش کر دینا ضروری سمجھا گیا کہ جہاں اور اور قدیم منظومات کے نمونے موجود ہیں وہاں بشرط ضرورت اس کا بھی اضافہ ہو جائے۔ نیز اس کے متعلق اگر کسی کو مزید معلومات کسی

صاحب کو ہو تو وہ بھی روشنی میں آجائے۔ نظم[1] یہ ہے :-

عددسی مسلا فرض خدای   یہ تم سیکو[2] تن[3] چت[4] لای
جن کوں نا ہیں[5] یہ سب یاد   او نکا کیا سب برباد
جو کوئی اون سیتے منکر ہوی   بیشک جانو کا فر ہوی

اس تمہید کے بعد نمبر ۱ درج کر کے "چار کرسی" کے زیر عنوان رقم طراز ہیں کہ ؎

پیڑھی[6] ہیں چار سنے کے جان   نبی محمدؐ کے قربان
محمدؐ پوت[7] عبد اللہ کا جان   عبداللہ پوت مطلب کا مان
مطلب پوت ہاشم کا رہا   ہاشم پوت مناف کا کہا

پھر ۲ پر بعنوان "احوال چار مذاہب" حسب ذیل اشعار منضبط کئے گئے ہیں ؎

مذہب چار چاروں ہیں جان   امام اعظم اپنا پہچان
امام مالک امام ہیں دوجے   امام شافعی امام ہیں تیجے
امام احمد حنبل ہیں اچھے   یہ مذہب چاروں ہیں سانچے

ازاں بعد نمبر ۳ کے ذیل میں "در وضو فرض چار اند" لکھ کر لکھا ہے کہ ؎

فرض وضو میں چار سنبھال   پہلیں پانے منہ میں ڈال
دوجے کہونی لگ دھو ہاتھ   تیجے سر پر پھیرو ہاتھ
چوتھے ٹخنہ لگ دھو پای   چاروں باتیں کہی خدائی

اسی طرح "مسئلہ غسل" کی سرخی سے تین فرض غسل کے چار نمبر پر ان اشعار میں بیان کئے گئے ہیں ؎

فرض غسل میں تین بچار   پہلیں پانی منہ میں ڈار
دوجے ناک میں پھیرو ہاتھ   تیجے سب تن دھو ساتھ

نمبر ۵ پر تیمم کے تین فرض "مسئلہ تیمم" کے عنوان سے یوں ظاہر کئے ہیں ؎

فرض تیمم کے ہیں تین   پہلیں نیت کرو یقین
خاک پاک میں مل کر ہاتھ   جھاڑ خاک منہ پھیرو ہاتھ
مل جھاڑ کر دونو ہاتھ   دونوں پاہو پھیرو ہاتھ

اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے یعنی شہادت (خدا کو ایک ماننا اور رسول اللہ کو پیغمبر برحق جاننا) نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ان پانچوں کو شاعر نے بطریق ذیل قلمبند کیا ہے ؎

بنای مسلمانے پہلیں جان   پانچہ[25] چیز کا لیو بیان[26]
اول کلمہ دوجے صلوٰۃ   تیجے روزہ چوتھے زکات
پنجم حج کرے جو کوی   راہ امن کا توشا ہوی

نماز میں ارکان تیرہ ہیں۔ منجملہ ان کے چھ نماز سے پہلے ادا کئے جاتے ہیں اور سات نماز کے اندر۔ جن کا اظہار "سیزدہ احکام وارکان" کے ذیل میں نمبر ۶ پر اس طرح کیا گیا ہے ؎

احکام ارکان تیرہ جان   علم صاحب کا دل میں مان
چھ احکام باہر کے جان   تن اور کپڑا پاک کر جان
ٹھور پاک قبلہ ستر ڈھانک   نیت باندھ جو وقت پہچانو
چھ احکام باہر کہی   سات ارکان اندر رہی
اول ساتوں کوں دل سیں سنو   اللہ اکبر پہلیں کہو
کھڑے رہو قرآن کو پڑھو   تب رکوع و سجود بھی کرو
چھٹیں بیٹھنا آخر کا جان   ساتویں نکس نماز سیں آن

"پنج وقت وصفت ایمان" کے تحت نمبر ۷ پر یہ اشعار درج کئے ہیں ؎

وقت پانچ نیت ہیں پانچ   سات آمنت جو جانو سانچ
پہلیں ایمان خدا پر آن   دوجے فرشتے بیشک جان
کتاباں اون کی پہلیں قبول   پیغمبر سبے رسول
قیامت آونے سانچ بچار   مار جلاوے وہ کرتار
نیکی کا راضی ہی وہ صحیح   بری کر نیکو نا ہیں کہی

کل نمازوں میں فرض رکعتیں سترہ ہیں جن کو نمبر ۸ پر "تعداد رکعت" کے زیر عنوان بطریق ذیل منضبط کیا ہے ؎

دو فجر پیشین کی چار   چار عصر کی لیو بچار
مغرب کے تین عشاں کے چار   سترہ رکعتیں لیو بچار

رمضان کے انتیس[29] یا تیس[30] روزے ہوتے ہیں اور ہر روزے کی ایک نیت اس طرح "مسئلہ روزہ و سے نیت" کا عنوان قائم کر کے نمبر ۹ پر اشعار ذیل قلمبند کئے گئے ہیں ؎

روزہ تیس نیت ہیں تیس   وی اون تیس تو وی اون تیس

پھر مقطع ہے کہ ؎

کمال محمد قاضی بتلائے   ان کہی بہشت میں جاوے
دوزخ کی آنچ بھی حرام   عددسی مسلا بھیا تمام

قاضی صاحب کے زمانے اور مستقر کا تعین کرنا اس بیاض سے دشوار ہے۔ نظم سے صرف ان کا حنفی ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ میرے پاس شاعروں کے جو تذکرے ہیں ان سے بھی کہیں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ (باقی صفحہ ۱۰ پر)

---

[1] نقل بر املا بیاض کے مطابق ہے۔ [2] دل۔ [3] دھیان۔ [4] کو۔ [5] نہیں۔ [6] سے۔ [7] حق کو چھپانے والا۔ [8] پُشت۔ [9] لیٹیں۔ [10] بیٹا۔ [11] جن۔ [12] دوسرے۔ [13] تیسرے۔ [14] سچے۔ [15] سنبھال یعنی نگاہ رکھ۔ [16] پہلے۔ [17] کہنی۔ [18] تک۔ [19] پاؤں۔ [20] کہہ۔ سمجھ۔ [21] ڈال۔ [22] جسم۔ [23] جھاڑ۔ [24] چہرہ۔ [25] پاؤں۔ [26] پانچ۔ [27] لو۔

[1] جل۔ [2] ڈھک۔ [3] ناف۔ [4] گھٹنا۔ [5] سات۔ [6] پڑھو۔ [7] بیٹھے۔ [8] نکل۔ [9] سے۔ [10] کر لینا۔ [11] قبول کر۔ [12] ایلچی، قاصد۔ [13] آنے والی، آتی۔ [14] جان۔ [15] مالک، خدا۔ [16] "سہی" ہوگا یا "سچی" کر یہ لفظ بھی صحیح استعمال کئے جاتے تھے۔ [17] یہ لفظ سمجھ میں نہیں آیا، مراد اس سے "ظہر" ہے۔ [18] عشاء۔

ہماری زبان

۸ر دسمبر ۱۹۶۲ء

کیا اُردو مُشکل ہوتی جا رہی ہے؟

مسٹر لال بہادر شاستری نے حال ہی میں پارلیمنٹ میں لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی رپورٹ پر بحث کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اُردو بجائے آسان ہونے کے مشکل ہوتی جا رہی ہے اور فارسی میں اور اُردو میں بہت کم فرق معلوم ہوتا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ اس بات میں سچ کتنا ہے؟

اردو ایک جدید ہندوستانی زبان ہے جس کی بنیاد کھڑی بولی پر ہے۔ اس کے ادب پر فارسی کا گہرا اثر ہے، مگر بہت سے فارسی، عربی کے الفاظ اُردو میں آکر کچھ بدل گئے ہیں اور اپنے پرانے مفہوم کے بجائے دوسرے معنی دیتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بہت دن تک عربی فارسی کے قواعد کا اُردو پر اثر رہا، مگر دہلی کے شعرا نے چلن کا زیادہ لحاظ رکھا اور لکھنؤ اسکول کی کوششوں کے باوجود معیاری ادب آسان اور عام فہم رہا۔ جب اُردو میں علمی مضامین آئے تو فارسی عربی سے اصطلاحات بھی لی گئیں۔ ابوالکلام آزاد، نیاز فتح پوری اور ظفر علی خاں کے اثر سے صحافت اور ادب پر فارسی عربی کا اثر بڑھا، مگر سرسید اور حالی کے رنگ کی مقبولیت اور افادیت نے مجموعی طور پر اُردو ادب میں سادگی کی لے قائم رکھی۔ یہ واقعہ ہے کہ اقبال کے اسلوب کی مقبولیت کے باوجود غزلیت اثر ڈالتا کی زبان کا شاعری پر بھی اثر ہوا۔ اس لئے یہ کہنا کسی طرح درست نہ ہوگا کہ آج اُردو زبان مشکل ہوتی جا رہی ہے اور بالکل فارسی معلوم ہوتی ہے۔ آج کی اُردو زبان پر انگریزی اور ہندی کا گہرا اثر ہے، مگر وہ فارسی اور عربی کے سرمائے اور اس کے اثر سے شرماتی نہیں، اُسے اپنے طور پر برابر استعمال کرتی ہے۔ دراصل اُردو میں عام میلان کلاسکیت کی طرف نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ہے۔ پریم چند کے اثر سے افسانے اور ناول کی زبان آسان اور عام فہم ہو گئی ہے۔ اس دور کے اچھے مضمون نگار حالی کے اسلوب سے متاثر ہیں جس میں سادگی نمایاں ہے۔ شاعری میں اقبال کا رنگ اب بھی مقبول ہے، مگر گیتوں کی مقبولیت ظاہر کرتی ہے کہ شعر کی زبان بھی آسان ہوتی جا رہی ہے دراصل علمی زبان، ادبی زبان اور روزمرہ استعمال کی زبان میں فرق ہوتا ہے۔ جدید اُردو میں علمی یا ادبی زبان روزمرہ کی زبان پر برا اثر نہیں ڈال پائی ہے، بلکہ علمی اور ادبی زبان روزمرہ استعمال کا لحاظ کرتی ہے۔ یہ اچھی بات ہے، اس لئے لال بہادر شاستری کا یہ خیال صحیح نہیں کہ اُردو فارسی ہوتی جا رہی ہے، بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یعنی اُردو فارسی سے دور ہوتی جا رہی ہے اور ہمیں اس دوری پر افسوس نہیں بلکہ خوشی ہے کیونکہ ہر زبان کو اپنی ترقی کے لئے کلاسیکی زبانوں کی غلامی سے آزاد ہونا پڑتا ہے اور اپنی فطرت کے مطابق ترقی کرنے کے لئے راہیں ڈھونڈھنی ہوتی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اُردو اور عام فہم ہو۔ اس کے لئے اسے مقامی بولیوں کے الفاظ بھی لینے پڑیں گے اور ہندی کے ایسے الفاظ بھی جو سیاسی یا ملکی ضرورت کی وجہ سے عام طور پر سمجھے جانے لگے ہیں، پھر انگریزی کے وہ الفاظ بھی جو جدید دور کی ضروریات ظاہر کرتے ہیں۔ اُردو زبان کے لئے اب یہ خطرہ نہیں ہے کہ وہ مشکل اور محدود ہو جائے گی۔ ابھی ہندی اس دور سے گزر رہی ہے جس سے اُردو گزر چکی۔ چونکہ اُردو میں عربی فارسی سے اصطلاحات زیادہ لی گئی ہیں اس لئے کچھ لوگوں کو یہ فارسی سے قریب ہوتی دکھائی دیتی ہے حالانکہ ایک طرف ان اصطلاحات کے بجائے انگریزی یا ہندی کی اصطلاحات بھی استعمال ہونے لگی ہیں، دوسری طرف عام زبان سادہ ہو گئی ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے ممتاز رہنما صرف چند قیاسات کی بنا پر ایسی باتیں کہہ دیا کرتے ہیں جو صحت پر مبنی نہیں ہوتیں۔ ان باتوں سے غلط فہمی پھیلتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ آج اگر چند معیاری شعرا، نثر نگاروں اور اخباروں کا مطالعہ کیا جائے تو ہمارے دعوے کی تصدیق ہو جائے گی۔ ویسے عربی فارسی الفاظ کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ آرزو لکھنوی نے جب فارسی اضافتوں کو ترک کرنا چاہا تو بعض اوقات زبان کو محدود بھی کیا اور پھیکا بھی۔ ہمیں اپنے سرمائے کو سلیقے سے برتنا چاہیئے، اس کے کسی حصے سے انکار نہیں کرنا چاہیئے، ہاں مجموعی طور پر اسے آج کی زندگی اور اس کی ضروریات کا آئینہ بنانا چاہیئے۔

عبدالمجید خواجہ کا انتقال

یہ خبر افسوس کے ساتھ سُنی جائے گی کہ ۲ر دسمبر کو عبدالمجید خواجہ صاحب کا علی گڑھ میں انتقال ہو گیا۔

خواجہ صاحب انجمن ترقی اُردو (ہند) کی مجلس عام کے رکن اور انجمن کے سابق نائب صدر تھے۔

۳ر دسمبر کو انجمن ترقی اُردو کے صدر دفتر میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا اور ان کے سوگ میں دفتر بند کر دیا گیا۔

انجمن کے جلسے میں
چین کے جارحانہ حملوں کی مذمت

انجمن ترقی اُردو ہند کی مجلس عام کا ایک جلسہ اتوار ۲ دسمبر کو دس بجے دن کے سپرو ہاؤس میں منعقد ہوا۔ پنڈت ہردے ناتھ کنزرو صدر انجمن کی علالت کی وجہ سے نائب صدر ڈاکٹر عابد حسین نے صدارت کی۔

۱۔ حسب ذیل قرارداد کے ذریعے سے انجمن نے چین کے جارحانہ حملوں کی مذمت کی :۔

انجمن کی مجلس عاملہ و مجلس عام کا یہ مشترک جلسہ ہندوستان کی شمالی سرحدوں پر چینی فوجوں کے جارحانہ حملے کی سخت مذمت کرتا ہے اور اس نازک موقع پر یہ اعلان کرتا ہے کہ تمام اُردو دوست اپنے وزیر اعظم کی اپیل پر لبیک کہتے ہوئے ہندوستان کی آزادی، سالمیت اور عزّت کی حفاظت کے لئے ہر قربانی دینے کو دل و جان سے تیار ہیں۔

یہ جلسہ تمام اُردو دوستوں سے اپیل کرتا ہے کہ قلمی اعانت کے علاوہ قومی بچاؤ کے تمام ضروری کاموں میں نہایت جوش و خروش سے حصہ لیں اور وطن کی مقدس سرزمین سے چینی غاصبوں کو نکالنے میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوں۔

۲۔ طے پایا کہ کرپلانی رپورٹ کی اشاعت کے بعد انجمن کی ایک کمیٹی اس پر غور کرے اور اپنی تجاویز انجمن کی مجلس عام کے سامنے پیش کرے۔ کمیٹی کے ممبر حسب ذیل اشخاص ہوں گے :۔

پنڈت ہردے ناتھ کنزرو (صدر) ڈاکٹر عابد حسین، پنڈت سندر لال، ڈاکٹر تارا چند، کرنل بشیر حسین زیدی، پنڈت آنند نراین مُلّا، ڈاکٹر عبد العلیم، حیات اللہ انصاری، قاضی عدیل عباسی، گوپی ناتھ امن، آل احمد سرور (سکریٹری)

۳۔ حسب ذیل حضرات انجمن کی مجلس عام کے ممبر منتخب ہوئے۔

بیگم سلطانہ حیات، سید سجاد ظہیر، مفتی عتیق الرحمٰن، ڈاکٹر گیان چند۔

۴۔ صدر نے جے پور کی کل ہند کانفرنس کے التوا کی جو ہدایت کی تھی، اس کی توثیق کی گئی اور انھیں یہ اختیار دیا گیا کہ آئندہ حالات سازگار ہونے پر کانفرنس کے انعقاد کے لئے مناسب انتظامات کریں۔

۵۔ دہلی میں صدر دفتر کے لئے زمین حاصل کرنے کے لئے کرنل بشیر حسین زیدی سے درخواست کی گئی کہ وہ انجمن کی مدد کریں۔

۶۔ عمارت فنڈ میں سے بیس ہزار روپے کے بچاؤ فنڈ کے بانڈ خریدنے کی ہدایت کی گئی، اور سکریٹری کو اختیار دیا گیا کہ اگر مزید گنجائش نکل سکے تو اور بانڈ خریدے جائیں۔

جلسے میں ڈاکٹر عابد حسین، کرنل بشیر حسین زیدی، الطاف احمد خیری، حمیدہ سلطان، سید احتشام حسین، بیگم انیس قدوائی، ڈاکٹر عبد العلیم، حیات اللہ انصاری، عدیل عباسی، رضی الحسن چشتی، اور آل احمد سرور نے شرکت کی۔

آل احمد سرور جنرل سکریٹری

علی گڑھ کے اُردو اور ہندی شعرا کا بیان

علی گڑھ کے اُردو اور ہندی کے ادیب اور شاعر ہندوستان کی شمالی سرحدوں پر چینی فوجوں کی دست درازی اور ہندوستان کی مقدس سرزمین پر جارحانہ حملے کی سخت مذمت کرتے ہیں، ہندوستان ایک امن پسند ملک ہے اور وہ دنیا کے تمام ملکوں سے دوستی رکھنا چاہتا ہے، مگر چین نے پنج شیل کے اصولوں کو توڑ کر اور ہماری سرحد میں داخل ہو کر نہ صرف ہماری توہین کی ہے بلکہ بین الاقوامی اخلاق کے سارے قوانین کی خلاف ورزی کی ہے اور ایشیائی اتحاد اور امن عالم کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔

ہماری حکومت اور ہمارے محبوب وزیر اعظم نے اس ہنگامی حالت میں جو قدم اُٹھائے ہیں ہم اُن کی تائید کرتے ہیں اور ملک کی سالمیت اور حرمت کو برقرار رکھنے کے لئے ہر طرح اُن کے ہاتھ مضبوط کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہندوستان جس طرح صلح کے آداب برت سکتا ہے اُسی طرح آزادی کے تحفظ کے تقاضوں کو بھی پورا کر سکتا ہے، ہمیں یقین ہے کہ ہماری قوم کا ایک ایک فرد اس سلسلے میں اپنے فرائض کو کما حقہٗ ادا کرے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ جنگ کے لئے جس طرح فوجیں اور ساز و سامان ضروری ہیں اُسی طرح بیدار ذہن، مضبوط عقیدے، اور ناقابل تسخیر حوصلے کی بھی ضرورت ہے۔ ہم اپنا یہ فرض سمجھتے ہیں کہ اپنی تحریروں سے قوم کے ذہن کو بیدار کریں، اس کے عقیدے میں مضبوطی پیدا کریں اور اس کے عزم و ہمّت کو بلند رکھیں، ہمیں یقین ہے کہ اس نازک وقت میں سب قومی زبانوں کے ادیب اُن آدرشوں کے لئے جو ہمیں عزیز ہیں مل کر جد و جہد کریں گے اور اپنے وطن کی آزادی، سالمیت اور عزّت کی ہر قیمت پر حفاظت کریں گے۔

پروفیسر آل احمد سرور، ڈاکٹر عبد العلیم، پروفیسر ہربنس لال شرما، مجنوں گورکھپوری، ڈاکٹر خورشید الاسلام، اختر انصاری، ڈاکٹر آر۔ این مکھرجی، ڈی سکسینہ نیرج، بابو مراری لال، ڈاکٹر معین احسن جذبی، ڈاکٹر منیب الرحمٰن، ریاض الرحمٰن خاں شروانی، اسلوب احمد انصاری، سلامت اللہ خاں، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر قاضی عبد الستار، ڈاکٹر وحید اختر، محمد یاسین، انور معظم اور دوسرے حضرات۔

سید حرمت الاکرام

اُداس رات

خاموشیوں کی گود میں سوئی ہوئی زمیں
ڈوبی ہوئی سی سوگ میں ذرات کی جبیں
اک موجِ کرب نغموں کے سائے میں تہ نشیں
چہروں پہ یہ ہجوم کے ایک ملگجی ردا
آتی نہیں دلوں کے دھڑکنے کی بھی صدا
لہروں کے ساز میں کوئی نغمہ نہیں رہا

کس درد لادوا کا نشانہ ہے کائنات!
کتنا اُداس چاند ہے کتنی اُداس رات!

شکیب ایاز

روشنی کی تحریریں

تیرے ماتھے پہ یہ شکن کیوں ہے
کیوں ہے مدھم رُخِ حیات کی لَو
کیوں شبستاں میں ہے یہ تاریکی
تیز کر شمع کائنات کی لَو

میرے محبوب! تو اُداس نہ ہو
زندگی گنگنائے گی اک دن
پیار کی ہر فسردہ وادی میں
آرزو لہلہائے گی اک دن

وقت کی سانس تیز جب ہوگی
خود پگھل جائیں گی یہ زنجیریں
اپنی تعبیر ڈھونڈھنے کے لئے
تجھ کو آواز دیں گی تقدیریں

دیکھ! پھوٹی کرن مسرت کی
چہرۂ غم کا چھٹ گیا غازہ
چاندنی کی بساط بچھنے لگی
مہرِ تاباں نے کھولا دروازہ

رقصاں رقصاں ہے نور کی شبنم
ذرے ذرے کو ہے سحر کا سراغ
اب ادھر تیرگی نہ بھٹکے گی
جل گئے ہر طرف گلوں کے چراغ

شاہین غازی پوری

جَب اور اَب

اس زمانے میں کہ تو نیز تھا کم سن تھا میں
دن کا آغاز طرب ناک ہوا کرتا تھا
شام رونے میں بسر ہوتی تھی

اب کہ میں شاہ رہِ زیست پہ چلتے چلتے
منزلوں دور نکل آیا ہوں
میری ہر صبح ہے مشکوک و گماں آلودہ
شام لیکن ہے مقدس بھی
سکوت آگیں بھی

(فریڈرک ہالڈرلن سے ماخوذ)

واحد بیربیی

آستین کے سانپ

دوست سمجھے تھے جس کو ہم اپنا
وہی سب سے بڑا عدو نکلا
ہم سے ایسی ہوئی ہے نادانی
آج جس پر کہ ہاتھ ملتے ہیں
سچ کہا ہے کسی نے اے واحد
آستینوں میں سانپ پلتے ہیں

غزلیں

حسرت مہر ورمادی

گلوں سے عشقِ گلستاں سے پیار کرتے رہے
مری خزاں میں بھی ذکرِ بہار کرتے رہے

ہماری بیخودیِ شوق کی نہ پوچھ کہ ہم
ترے قریب ترا انتظار کرتے رہے

کسی کے دستِ حنائی کا آسرا لے کر
حفاظتِ غمِ لیل و نہار کرتے رہے

تمہاری یاد سے وابستہ تنہا ہی رہیں
تمہارا ذکر مگر بار بار کرتے رہے

غزل کی آڑ میں حسرت غزل کے سودائی
خود اپنے داغِ جگر آشکار کرتے رہے

ملک محمد اسماعیل خاں

میرے جذبات کو کچل نہ سکے
یہ حوادث مجھے بدل نہ سکے

عہدِ الفت میں وہ بھی دن آئے
چند آنسو بھی جبکہ ڈھل نہ سکے

جن کو بخشی گئی تھی سوزشِ عشق
غمِ دوراں سے بچ کر وہ چل نہ سکے

وہ کہ چاہا فراغِ زیست مگر
اُدھر دہر سے نکل نہ سکے

محمد احمد اللہ

مولوی عبدالرحمٰن رضوانؔ

مختصر حالات، تبصرہ، اور نمونۂ کلام

ولادت

نام عبدالرحمٰن اور تخلص رضوانؔ ہے۔ آپ مولوی عبدالغفور کے فرزندِ ارجمند ہیں جو فارسی گو شاعر اور لال باغ اولی بنگلور کے متوطن تھے۔ ترکِ وطن فرما کر میسور ہی میں مقیم ہو گئے۔ رضوانؔ کی تاریخ ولادت ٹھیک معلوم نہیں لیکن وفات کے وقت پچہتر سال کی عمر تھی اس حساب سے پیدائش غالباً ۱۸۸۳ء یا ۱۸۸۵ء ہے۔

حلیہ و لباس

رنگ گورا، ناک اونچی، آنکھیں کچھ بڑی، کشادہ پیشانی، کتابی چہرہ اور قد ۵ فٹ، جسم نہ بہت فربہ اور نہ نحیف مگر مضبوط و توانا، گھنی ڈاڑھی تھی۔ بحیثیت مجموعی خوب صورت شکیل و جمیل تھے۔ جبہ، دستار، قباو عبا، چغہ وغیرہ وہی عالمانہ لباس تھا۔

بچپن، تعلیم و تربیت

حضرت رضوانؔ کی عمر چھ سال کی تھی کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا آپ نے دادی کی آغوش میں تعلیم و تربیت پائی جو اردو، فارسی میں کافی دستگاہ رکھتی تھیں۔ اُس وقت زنانہ مدارس نہ تھے۔ محلے کی مستورات اور طالبات گھر ہی پر درس لیا کرتی تھیں، حضرت رضوانؔ نے بھی ابتدائی تعلیم دادی ہی سے پائی، بعد ازاں آپ کے پھوپا جمیلؔ نے آپ کی تعلیم و تربیت کو اپنے ذمے لیا جو آپ کے والد کے قائم کئے ہوئے مدرسے میں درس و تدریس کا سلسلہ رکھتے تھے اور فارسی گو شاعر تھے۔ اوسط درجے کی تعلیم آپ نے یہیں ختم کی۔ جمیلؔ کی رحلت کے بعد مولوی غلام محی الدین عازمؔ سے عربی و فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی جن کا شمار اس وقت کے سر بر آوردہ علماء میں تھا اور فن شاعری میں بھی آپ ہی کے تلمیذ رہے۔ آپ کو اپنے اُستاد سے بے انتہا محبت تھی۔ چناں چہ فرماتے ہیں:-

کیا ارشاد مجھ کو حضرتِ عازمؔ نے اے رضوانؔ\
مرے بھی ہے رضواں مجھ پہ فیضِ حضرتِ عازمؔ\
منور چاند کو کرتا ہے یہ سورج نہاں ہو کر\
سخن گو کر دیا عازمؔ کی تلمیذی نے اے رضوانؔ\
سخنور شعر سُن کر فیضِ صحبت اس کو کہتے ہیں

حضرت رضوانؔ کے کتب خانے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ عربی و فارسی زبانوں اور مروجہ علوم متداولہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ طب میں بھی دخل تھا۔ بیس سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہو گئے۔

مطالعہ

آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ مطالعہ میں کتب سیر و فقہ، حدیث، تفسیر اور اساتذہ کا کلام رہتا تھا۔ کلام اللہ کی تلاوت اور تفسیر کا مطالعہ گویا روزانہ کا مقررہ شغل تھا۔ کلام الٰہی سے انتہا درجے کا شغف تھا۔ سفر میں حمائل شریف ہمیشہ گلے میں رہتی۔

مجلس وعظ

وعظ میں آپ کبھی سبقت نہ فرماتے لیکن لوگوں کے اصرار پر آمادہ ہو جاتے۔ وعظ نہایت ہی پُر اثر ہوتا۔ اپنے بیان سے خود بھی اثر پذیر ہوتے اور سامعین بھی، اکثر اوقات سامعین پر رقت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔

قرأت

علم قرأت ترتیل و تجوید سے واقف تھے۔ نماز باجماعت کے پابند۔ آپ کی موجودگی میں آپ ہی کو امامت کے لئے ترجیح دی جاتی تھی۔ نماز صبح کی قرأت میں نمازیوں کا دل گداز ہو جاتا تھا، قرأت میں شیرینی تھی اور سوز تھا۔

عربی زبان پر عبور

عربی میں قادر الکلامی کا ایک چشم دید واقعہ مکرمی احمد حسین صاحب وظیفہ یاب ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسر بنگلور بیان فرماتے ہیں:-

"مولوی (گلشن آباد) میں ایک عرب نو وارد مسافر تھے ان سے عربی میں آپ اس طرح بے ساختہ و برجستہ فرما رہے تھے گویا وہ آپ کی مادری زبان ہے۔ ملک میں عربی نہ کہیں بھی جاتی ہے اور نہ بولی۔ نہ تو اس زبان کے اخبارات ہی یہاں دستیاب ہوتے ہیں اور نہ کتابیں ایسے ماحول میں آپ کا اس قدر عبور حاصل کر لینا نہایت ہی تعجب خیز امر ہے۔"

دست کاری و کمال

اپنی کتابوں کی جلد بندی خود ہی کر لیتے تھے جس میں فنی خوبیاں بھی ہوتی تھیں۔ خطاطی میں بھی کمال تھا۔ اپنے دستِ خاص سے قطعات اور طغرے جلی قلم سے لکھ کر مسجدوں میں آویزاں کرتے تھے، علاوہ ازیں تیراکی میں بھی اعلیٰ درجے کا کمال تھا۔

زہد و قناعت

آپ نے دنیا دی عیش و تنعم پر کبھی دھیان نہ دیا اور وعظ و نصیحت پر کبھی صلہ قبول نہ کیا۔ ایسا موقع درپیش ہوتا تو یہ آیت شریف تلاوت فرماتے:-

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا۔ (میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت پر فروخت نہ کرو) تا دمِ آخر کسبِ حلال اور قوت لایموت ہی پر قانع رہے۔ زاہد، متشرع اور صوفی مشرب عالم و بزرگ تھے۔ شہرت و ناموری سے سخت نفرت تھی اور گوشہ نشینی، مطالعہ، عبادت و ریاضت ہی کو آپ نے ترجیح دی۔ فرماتے ہیں:-

پابند ہوں میں دائرۂ حکمِ نبی کا — سر نقطۂ مرکز پہ ہے پرکار ہوں ایسا\
غافل ہوں زمانہ تیری یادوں میں شاہا — مست مئے الفت ہوں میں ہشیار ہوں ایسا\
زر کی ہوس نہ سیم کی پروا ہے یا نبی — رنگ طلائی رکھوں یہی حرص و آز ہے

اخلاق و عادات

طبعاً منکسر المزاج اور خلیق، عابد و پرہیزگار، نیک طبیعت اور مخلص، وضعدار، خوددار، نیک سیرت بزرگ تھے۔ معاصرین سے نیک تعلقات تھے اور محبت و خلوصیت کا برتاؤ کرتے۔ خوشامد، ستائش پسندی، گروہ بندی اور حرف گیری سے انتہائی درجے کی نفرت تھی، اخلاص و سادگی ہی طبیعت کی اصلی خوبی تھی۔ سخت سے سخت موقعوں پر بھی کبھی بیرہ

مخل کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور کبھی کسی فحش لفظ سے زبان کو آلودہ نہ کرتے۔ تلامذہ پر سختی کے محل پر بھی "ملحد" اور "موذی" کے سوا دوسرا لفظ استعمال نہ فرماتے۔

درس و تدریس

ظہر اور عصر کے درمیان اپنے شاگردوں کو درس دیا کرتے آپ کے تلامذہ میں چند شعرا بھی ہیں جن میں قابل ذکر صفا، وزیر وغیرہ ہیں۔ اول الذکر نے اپنی تعلیم آپ ہی کے پاس ختم کی۔ شہر کے مشہور طبیب حکیم محمد یٰسین (مرحوم) نے (جو حکیم یٰسین صاحب کے نام سے مشہور ہیں) آپ سے طبی تعلیم پائی تھی، اگرچہ حکیم صاحب عمر میں بڑے تھے۔ تمباکو کے بڑے ماہر اور مشہور تاجر تھے۔ جوانی میں فارسی پڑھنے کا شوق غالب ہوا۔ حضرت رضوان سے فارسی پڑھی پھر آپ ہی سے طبی تعلیم مکمل کی اور طبابت میں ناموری حاصل کی۔ تشخیص طبابت میں آپ دوسروں سے ممتاز ہے۔

موضوع شاعری

دیگر معاصرین و شعرا کے برخلاف آپ کا خاص موضوع نعت رسول ہے۔ تمام عمر آپ نے نعتیہ اشعار کے سوا دیگر اصناف سخن پر کبھی قلم نہ اٹھایا۔ اس کے دو سبب ہیں ایک تو زہد و تقویٰ، دوسرا استاد کی نصیحت۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؂

کیا ارشاد مجھ کو حضرت عاصم نے اے رضواں
بیاں کیجے مے حُبِّ نبی کو پارسا ہو کر

کلام کی شہرت و مقبولیت

اگرچہ آپ کو شہرت و ناموری سے خاصی نفرت تھی لیکن آپ ہی کی زندگی میں کلام کی شہرت ہو گئی۔ مشاعرے میں اشعار بھیجنے کا تقاضا رہتا تھا۔ مولوی ظفر علی ایم۔ اے ایڈیٹر انوار الصوفیہ لاہور اپنے قیام میسور کے دوران آپ کے اشعار رسالۂ مذکور میں شائع کرتے رہے۔ جب وطن واپس ہونے لگے تو بالالتزام اشعار بھیجتے رہنے کا وعدہ بھی لیتے گئے چنانچہ ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۰ء کے درمیان انوار الصوفیہ میں آپ کے اشعار شائع ہوتے رہے ہیں۔

اسلامی محمدی بڑی تقویم بمبئی سنہ ۱۳۰۳ ہجری میں ایک مخمس "رسول پہ قربان" کے عنوان سے شائع ہوا ہے اور یہ حضرت رضوان کے ایک مشہور قصیدے کی تضمین ہے جو جناب پیر محبوب علی میرزا عاشق لکھنوی نے کی ہے۔ اصل قصیدے کے چند شعر نمونۂ کلام میں درج ہیں جس کے مطلع کا مصرع اول یہ ہے:۔

ع مرا دل ہی نہیں قرباں مری جاں ہی نہیں صدقے

بیعت

حضرت پیر و مرشد سید جماعت علی شاہ علی پوری طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ کے اولین سفر میسور کے موقع پر آپ نے بیعت فرمائی، اور پیر و مرشد کے نہایت ہی مخلص اور مرید خاص رہے۔ ایک مرتبہ کسی نعتیہ شعر پر اپنا ملبوس خاص بھی آپ نے مرحمت فرمایا۔ مراجعت وطن پر ایک الوداعی نظم کہی جو مقبول خاص و عام ہوئی۔ میسور کے تمام شعرا نے اسی مصرع کو (ادھر پیر و مرشد کا عزم وطن ہے) مصرع طرح قرار دے کر نظمیں لکھیں لیکن مقبول عام کی سند حضرت رضوان ہی کی نظم کو میسر ہوئی۔ حضرت پیر و مرشد جہاں جاتے ہر ایک الوداعی جلسے میں یہ نظم پڑھی جاتی۔ اس طرح تمام ہندوستان میں یہ نظم مشہور ہو گئی۔ اس کے چند ابیات ملاحظہ ہوں :۔

ادھر پیر و مرشد کا عزم وطن ہے — مُریدوں کی جاں اس طرف نعرہ زن ہے
غلامانِ یوسف کا رونا نہ پوچھو — جو میسور میں گھر ہے بیت الحزن ہے
بنے اہل میسور تصویر بے جاں — نہ جنبش کا یارا نہ تاب سخن ہے
سُنی ہے خبر جب سے جانے کی ہم نے — نہ پروائے جاں ہے نہ فکر بدن ہے
تمہاری جُدائی نے مُردہ بنایا — مرے تن پہ جامہ نہیں ہے کفن ہے
مُرید اُن کے سر سبز اور سُرخرو ہیں — جو مرشد ہے ابن حسین و حسن ہے
عدو اور مرے پیر میں فرق یہ ہے — وہ پتھر ہیں جھوٹے یہ لعل یمن ہے
جو مرشد نہیں پیرو دین احمدؐ — وہ رہبر کے پردہ میں اک راہزن ہے
مریدوں کے سر پر ہے ظلِّ مرشد — تصرّف میں سورج کے جیب کرن ہے

تمہیں جو کو عقبےٰ کا رضواں ملے گا
تصور میں مرشد کے سیب ذقن ہے

حضرت پیر و مرشد کی سب سے بڑی خوبی احکام شرعی کی پابندی عبادت و ریاضت ہے جو انہیں دوسروں سے ممتاز بنا دیتی ہے اس نظم میں جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہ سب حقیقی ہیں شاعرانہ غلو نہیں جن سے ہمارے شعرا بدنام ہیں۔ اس میں سچے دلی جذبات، عقیدت و ارادت کا اظہار ہے۔ روانی کلام، جوش بیان اور ندرت کلام نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے۔

دیوان

آپ کے دیوان میں چند ردیفیں رہ گئی تھیں۔ دست قضا نے انہیں پورا کرنے کی مہلت نہ دی۔ رحلت کے بعد پیر و مرشد حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ علی پوری نے شائع کرنے کے اقرار پر مرحوم کے نسبتی برادر غلام احمد عرف ساہو کار صاحب جان صاحب نجنگوڈ سے مذکورہ دیوان لے لیا مگر وہ اب تک شائع نہ ہوا۔ مرحوم کے ورثا نے نہایت جستجو اور تلاش کے بعد تقریباً ڈیڑھ ہزار اشعار کا مجموعہ فراہم کر لیا ہے۔ اصل دیوان میں اشعار کی تعداد دگنی ہوگی۔

وفات

۱۳۱۱ھ کے وسط میں حضرت رضوان مرض استسقاء میں مبتلا ہوئے تقریباً گیارہ مہینوں کی علالت کے بعد پچھتر سال کی عمر میں ۲۹ جون ۱۹۱۲ء بچے صبح آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اولاد

حضرت رضوان نے ۲۰ سال کی عمر میں حضرت حاجی محمد حسن صاحب پولیس انسپکٹر نجنگوڈ کی دختر سے شادی کی جن سے چار فرزند ہوئے۔

(۱) عبد الغفور (مرحوم)۔ (۲) مولوی محمد احمد اللہ۔
(۳) خضر محمود (مرحوم)۔ (۴) محمد عظیم بی۔ اے مقیم کراچی۔

شاعری

آپ صرف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ عالم متبحر بھی تھے طبیعت پر تزہیں رنگ چڑھا تھا۔ کلام میں بھی یہی اثر غالب ہے باوجود اس کے شگفتگی، بلند پروازی، نزاکت خیال اور شیرینیٔ بیان بدرجۂ غایت موجود ہے۔ بندش کی چستی، خیالات کی رفعت و جوش بیان اور روانی قابل تعریف اور پُر اثر ہے۔ الفاظ میں باہم آہنگی، ترنم اور خوش نوائی پائی جاتی ہے تشبیہات اور استعارات کے استعمال میں بھی قدرت ہے۔ مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ طرز ادا سے بھی جدت کا اظہار ہوتا ہے۔ اعلیٰ تخیل بسلاست بیان اور دلکش رنگینیوں کے بہترین نمونے آپ کے کلام میں بکثرت موجود ہیں۔ تمام کلام خلوص محبت و جوش عقیدت سے پُر ہے اور تصوف کی چاشنی بھی ہے۔ کلام کا نمونہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

حق کے ممدوح کی کب مجھ کو ثنا آتی ہے
ہمزبانی خدا بندے کو کیا آتی ہے
میں شفاعت کی توقع پہ فقط جیتا ہوں
نہ عبادت نہ ریاضت نہ دُعا آتی ہے
ہائے حضرت کو نہ دیکھا نہ مزارِ حضرت
اُمتی کہتے ہوئے مجھ کو حیا آتی ہے
نام جب لے کے محمدؐ کا دُعا کرتا ہوں
لب تاثیر سے آمیں کی صدا آتی ہے
کچھ مدینہ کے سفر کی نہ بن آئی تدبیر
یاد اب تو مجھے تقدیرِ خدا آتی ہے
لا اِلٰہ کے سوا لا نہیں سائل کو کہا
کب کسی اہلِ نعم کو یہ سخا آتی ہے
زلفِ حضرت کی ثنا لکھو گے کیوں کر رضواں
کیا بھلا ایسی تمہیں فکر رسا آتی ہے

دل کو پہلو میں جگہ اس لئے دی ہے میں نے
آئینہ بن کے دکھاتا ہے تماشہ تیرا

ہجرِ احمدؐ میں مری آنکھوں کو ہے گریے سے ربط
شعلہ بھڑکاتا ہوں اس روغن سے شمعِ آہ کا

مرا دل ہی نہیں قرباں مری جاں ہی نہیں صدقے
دو عالم آپ پر یا رحمۃ للعالمیں صدقے
لبِ جاں بخش کی باتوں پہ اک ہم ہی نہیں صدقے
کلیم اللہ صدقے عیسیٰ گردوں نشیں صدقے
ترا نام مبارک تھا وسیلہ ہر پیمبر کا
تری ذاتِ مبارک پر ہوئے جملہ مرسلیں صدقے
یہ ذرّے جو چمکتے ہیں مدینے کے بیاباں میں
ہوا کرتا ہے ان پر روز خورشیدِ مبیں صدقے

گنہگاروں کی خاطر تم نے جھیلیں سختیاں کیا کیا
دل و جاں دونوں تم پر یا شفیع المذنبیں صدقے
کیا ہے اُمتی اپنے حبیبِ پاک کا مجھ کو
تری رحمت پہ میں اے خالقِ جاں آفریں صدقے
یہ رضواں کی غزل ہے یا کوئی گلدستۂ جنت کا
ہیں جس پہ زمزمہ سنجانِ فردوسِ بریں صدقے

سودائے دشتِ گردیِ یثرب ہے ضعف میں
جھک جھک کے پڑ رہا ہے مرے پاؤں سر مرا

زلفوں کی بلائیں لیتا ہوں جاں رخ پہ تمہارے دیتا ہوں
میں عشق کی دولت سے ہوں غنی آتا ہے مجھے لینا دینا

کہتے ہیں دندان مضمون نبیؐ ہیروں کے مول
کیا ہوا، گر قافیے میں میں نے کنکر رکھ دیا
عارضِ حضرت کو ہیں مصحف ہی لے رضواں کہوں
گرچہ قرآں بھی کسی نے میرے سر پر رکھ دیا

کون سی خوشبو کو دوں ان کے پسینے سے مثال
ہو رہا ہے دم بخود عطروں میں عنبر دیکھ کر

وہ خدا ہیں شاید اس میں یا سنا ہے کبھی اس لئے ہے عیب خود بینی سے باہر آئینہ

وہ ہے خورشید کا آئینہ یہ آئینۂ حق تیری صورت سے ہو کیوں چاند کی صورت اچھی

رنج بھی تیری ملاقات میں راحت ہو جائے
بزمِ عشرت مجھے صحرائے قیامت ہو جائے
اے خیالِ نبویؐ لائیے دل میں تشریف
مور کے گھر میں سلیماںؑ کی ضیافت ہو جائے
خواب میں جاگے مرا بخت زلیخا کی طرح
گر کسی شب مرے یوسف کی زیارت ہو جائے
خواب میں آؤ اگر آپ تو ایسا سوؤں
نہ کبھی چونک اُٹھوں صبحِ قیامت ہو جائے
اس تمنا ہی میں ہر شام و سحر مرتا ہوں
دشتِ یثرب میں الٰہی مری تربت ہو جائے
میں پھروں سوئے مدینہ مرے دن پھر جائیں
ایسی گردش مری قسمت کو عنایت ہو جائے
جو مدینے کے سفر میں مجھے دولت رضواں
کوس رحلت مرے دروازہ کی نوبت ہو جائے

آندھرا پردیش میں اُردو کا موقف

آندھرا پردیش میں اُردو کے موقف سے متعلق بعض غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے، حکومت آندھرا پردیش نے سرکاری گزٹ میں ایک وضاحتی بیان شائع کیا ہے۔ اس بیان میں کہا گیا ہے کہ اُردو زبان بنیادی طور پر ہمارے ملک کی ایک ایسی زبان ہے جسے دستور میں ایک قومی زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ ریاست کے بعض گوشوں میں شکوک شبہات ظاہر کئے جا رہے ہیں کہ ریاستی تنظیم جدید کے بعد اُردو کے موقف کو متاثر کیا جا رہا ہے۔ یہ شکوک شبہات حکومت کے خیال میں بے بنیاد ہیں۔ ریاستی حکومت نے ہر طرح اُردو کو مناسب اہمیت دی ہے اور اسے امید ہے کہ اس بیان سے مذکورہ غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی جو ریاست کے بعض گوشوں میں پائی جاتی ہیں۔ بیان میں بتایا گیا ہے کہ اُردو کو آندھرا پردیش میں بعض ملازمتوں (مثلاً سکریٹریٹ، منسٹریل جوڈیشیل منسٹریل سرویسیس) میں راست تقررات کے لئے علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ سابق حکومت حیدرآباد نے ان خدمات کے لئے اُردو کو علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ جو امیدوار ریاست کی زبان اول کی لیاقت نہیں رکھتے وہ بھی ان ملازمتوں میں بھرتی کے لئے امتحانات میں حصہ لے سکتے ہیں، اور لینگویج پیپر کے جوابات اُردو میں دے سکتے ہیں۔ ریاست کی ان تمام گزٹیڈ اور نان گزٹیڈ خدمات کے لئے جس میں دوسری زبان کے امتحان کی کامیابی ضروری ہے اُردو کو ایک دوسری زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ بیان میں اس سلسلے میں مزید وضاحت کی گئی ہے کہ اُردو کو تلنگانہ کے تمام (۹) اضلاع اور آندھرا کے تین اضلاع گنٹور، کرنول اور کڑپہ میں منسٹریل اور جوڈیشیل منسٹریل خدمات میں تقررات کے موقع پر علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے جہاں بھی تلگو ٹسٹ میں کامیابی زائد قابلیت کے طور پر لازمی ہے اُردو داں ملازمین کو بھی اس شرط کے ساتھ ترقی دی جائے گی کہ وہ مقررہ کی جانے والی میعاد کے اندر تلگو ٹسٹ پاس کرلیں۔ اُردو کو تلنگانہ کے علاقے میں عدالتوں میں استعمال کی جانے والی ایک زبان کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اُردو میں دی ہوئی درخواستوں کے ساتھ وہی برتاؤ ہوگا جو تلگو میں دی ہوئی درخواستوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور عام طور پر اُردو کی درخواستوں کے جواب بھی اُردو میں ہی دئے جا رہے ہیں۔ اضلاع یا ایسے علاقوں میں جہاں اُردو بولنے والوں کی تعداد آبادی میں دس (۱۰) فی صد ہے، اہم قوانین، قواعد، ضوابط اور اعلانیے اُردو میں بھی جاری کئے جا رہے ہیں۔ ایسے مقامات پر جہاں اُردو بولنے اور سمجھنے والے بڑی تعداد میں رہتے ہیں، اُردو کے سائن بورڈ بھی آویزاں کئے جا رہے ہیں۔ ریاست میں ایسے مدارس کثیر تعداد میں موجود ہیں جہاں اُردو بولنے والے طلبہ کے لئے اُردو میں تعلیم کا انتظام ہے۔ جہاں بھی کم سے کم (۴۰) طلبہ اُردو میں تعلیم پانے کی خواہش کریں ابتدائی اور تحتانوی مدارس میں اُردو ذریعہ تعلیم کی جماعتیں اور جہاں بھی ایسے (۴۰) طلبہ موجود ہیں اُردو ذریعہ تعلیم کے اسکول قائم کئے جاتے ہیں۔ ثانوی مدارس کے لئے کم سے کم (۱۵) طلبہ کی خواہش پر ششم یا ہشتم یا ہفتم تا نہم جماعتیں قائم کی جاسکتی ہیں۔ مجالس قانون ساز میں اراکین اُردو میں بھی اظہار خیال کر سکتے ہیں۔

معتمد انجمن ترقی اُردو کا بیان

حکومت آندھرا پردیش نے ریاست میں اُردو زبان کے موقف سے متعلق وضاحتی اعلانیہ سرکاری گزٹ میں شائع کیا ہے اس کا انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش اور دیگر اداروں کی جانب سے خیر مقدم کیا گیا ہے۔ شری حبیب الرحمٰن معتمد اعزازی انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش نے آج اس تعلق سے اپنے صحافتی بیان میں بتایا ہے کہ گذشتہ ماہ ستمبر میں انجمن کے ایک وفد نے چیف منسٹر سے ملاقات کر کے ایک یادداشت پیش کی تھی جس میں دوسری باتوں کے علاوہ وہ تمام باتیں درج تھیں جو سرکاری اعلانیہ میں موجود ہیں۔ انجمن کا ارادہ تھا کہ چیف سکریٹری سے ملاقات کر کے اُردو بولنے والوں کی دشواریوں کے تعلق سے انہیں تفصیلی طور پر آگاہ کرایا جائے لیکن ہنگامی حالات کی وجہ سے فی الوقت اس معاملے پر زور دینا مناسب نہیں سمجھا گیا، کیونکہ ہنگامی حالات میں ہمیں اپنی تمام تر توانائیاں قومی دفاع کے لئے صرف کرنی ہیں۔ تاہم ہمیں اس بات کی مسرت ہے کہ حکومت نے اپنے طور پر اقدام کر کے صورت حال کی وضاحت کی ہے۔ انجمن کی جانب سے متعدد بار اس حقیقت کا اعتراف کیا جا چکا ہے کہ بعض دوسری ریاستوں بالخصوص شمالی ہند کی ریاستوں کے مقابلے میں اُردو کے تعلق سے حکومت آندھرا پردیش کی پالیسی منصفانہ اور ہمدردانہ رہی ہے جس کے لئے اُردو بولنے والے حکومت کے شکرگزار ہیں۔ لیکن یہ بات بھی ناقابل تردید ہے کہ حکومت کے بیشتر اچھے عزائم پر نیچے کی سطح کے چند عہدیداروں کے غیر ہمدردانہ طرز عمل کی وجہ سے عمل درآمد نہیں ہو رہا ہے۔ اضلاع سے بہت سی شکایات وصول ہو رہی ہیں۔ اُردو داں مدرسین کی ٹریننگ کے انتظامات نہیں کئے گئے۔ حیدرآباد تک میں کئی سرکاری دفاتر کے سائن بورڈوں پر اُردو درج نہیں ہے۔ اُردو کو تلنگانہ میں ایک عدالتی زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا ہے۔ لیکن کریم نگر، کھمم اور نلگنڈہ کی عدالتوں میں اُردو کو اس کے حق سے محروم رکھا گیا ہے لیکن ہم نہیں چاہتے کہ موجودہ ہنگامی حالات میں حکومت کی توجہ قومی دفاع کی طرف سے ہٹائی جائے۔ اس نوبت پر ہم حکومت سے صرف یہی درخواست کریں گے کہ وہ اپنی اختیار کردہ پالیسی اور اس کی بنیاد پر جاری کردہ احکامات اور ہدایات پر نیچے کی سطح کے عہدیداروں کی جانب سے دیانت داری کے ساتھ اور پورے طور پر عمل درآمد کا خیال رکھے۔

انجمن تعمیر اردو دلی

انجمن تعمیر اردو دلی کے زیر اہتمام ۸ نومبر کو دلی کے ادیبوں اور شاعروں کا خاص جلسہ ہوا۔ پروفیسر راجیندر ناتھ شیدا نے صدارت فرمائی۔ حاضرین نے بالاتفاق رائے حملۂ چین کی مذمت کی تجویز منظور کی۔ ایک دوسری تجویز میں ڈاکٹر زور کی ناگہانی موت پر اظہار افسوس کیا گیا۔

۱۲ نومبر کو انجمن تعمیر اردو کے زیر اہتمام ایک "قومی مشاعرہ" منعقد ہوا، جس میں سو سے زائد ادیب، اردو دوست اور شعرا نے شرکت کی۔ مشاعرے کی صدارت علی جواد زیدی صاحب نے فرمائی۔ یہ قرار پایا کہ انجمن تعمیر اردو کی جانب سے وزیر اعظم کی خدمت میں ۱۴ نومبر کو کچھ روپیہ، سونا اور کتابوں کی پہلی قسط نذر کی جائے۔ علی جواد زیدی صاحب نے اس تجویز کی تائید میں پُراثر تقریر کی۔ یہ مشاعرہ رات کو ۹ ½ بجے ختم ہوا۔

حلقۂ شعر و سخن ڈالٹن گنج

۶ نومبر ۱۹۶۲ء کو حلقۂ شعر و سخن ڈالٹن گنج کی طرف سے اردو لائبریری ہال میں ایک شاندار مشاعرہ منعقد کیا گیا جس کا مقصد چین کے حالیہ حملے کے خلاف عوام میں اپنے ملک کی حفاظت کے لئے ولولہ و جوش پیدا کرنا تھا۔ اس مشاعرے میں ہندی کے شعرا نے بھی شرکت کی اور ہندی اردو کے اس حسین شعری سنگم نے مقامی فضا میں یک جہتی اور اتحاد پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

بقیہ: صدوسی مسئلہ

تن، چت، پوت، دوجے، بیچے، لکھ، نکس، بچار، سیں، نک، ہیں، بسیتی وغیرہ الفاظ مستعملۂ اشعار نیز بحر و قوافی کی ناہمواری اور کھینچ تان کے پیش نظر یہ قیاس ضرور کیا جا سکتا ہے کہ یہ زمانۂ قدیم یعنی اولین دور شاعری کی خصوصیات ہیں لہٰذا تا وقتیکہ اس کے خلاف تیقن کے ساتھ کوئی مزید معلومات نہ ہو اس نظم کو قدیم یادگار سمجھنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

(۱) "گلزار ابرار" میں "شیخ کمال محمد عباسی" کے زیر عنوان ایک بزرگ کا حال قلمبند کیا گیا ہے۔ یہ احمد آباد گجرات میں پیدا ہوئے تھے اور شیخ وجیہ الدین علوی احمد آبادی کے شاگرد رشید تھے۔ ۹۹۲ھ میں خاندیس ہوتے ہوئے اجین (مالوہ) آئے۔ یہاں فتویٰ نویسی کا منصب ملا اور شیخ اولیاء کالپوی کی لڑکی سے کدخدا ہوئے۔ نیز تیس سال اسی مقام پر شرعی اور عقلی علوم کا درس دیا۔ شب و روز عبادات میں مصروف رہنا ان کا شیوہ رہا۔ ۱۰۱۳ھ میں ایک خط کے ذریعے مانڈو (شادی آباد) کے احباب سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ چنانچہ صاحب گلزار ابرار اس کی تعمیل میں اجین پہنچے۔ اسی سال شب دوشنبہ کے حصۂ آخر میں ۵ شعبان کو بعمر چون سال راہی عالم بقا ہو گئے اور اسی دالان میں دفن کیے گئے جس میں درس دیا کرتے تھے۔ غوثی شاہ مصنف گلزار ابرار اس موقعے پر موجود تھے۔

ذکر مذکور میں نام کے ساتھ قاضی کا نہ ہونا میری رائے میں چنداں اہم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے خاندان میں عہدۂ قضا رہا ہو اور وہ اسی نسبت سے خود کو قاضی لکھتے ہوں۔ نام کے ساتھ جس انداز میں یہ شامل کیا گیا ہے اس سے بھی ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔ تاہم بعد معلومات مزید اگر یہی بزرگ منظوم نظم کے مصنف ٹھہرتے ہیں تو یہ بادشاہ اکبر (۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء تا ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) کے عہد حکومت کی یادگار قرار پاتی ہے جو بعید از قیاس نہیں کیونکہ گجرات میں اس قسم کی اردو کا رواج ۹۲۹ھ/۱۵۲۳ء سے بہت پہلے شروع ہو گیا تھا(۱) اور پھر بزرگ زیر ترجمہ کی بول چال میں مقامی بولی کے اثرات اس پر مستزاد ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام صفحہ ۳۵ تا آخر مطبوعہ ۱۹۳۹ء، خطبات عبدالحق حصہ دوم صفحہ ۳۲، و مقدمہ مشمولہ مخزن نکات مرتبہ شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ مرتبہ مولوی عبدالحق مرحوم۔

مراسلات

خواب و خیال کی دُنیا

یہ ہے ہندستان کی راجدھانی دلی اور یہ ہے دلی کی سب سے زیادہ پُررونق سڑک اور اس سڑک کی زینت بڑھانے والی یہ رہی انجمن ترقی اردو ہند کی دس منزلہ مانع گرمی (...) عمارت "اردو کدہ"۔ یہ تمام عمارت پوری ایک اردو دنیا ہے۔ ایک طرف مطالعہ گھر، دوسری طرف وسیع و عریض لائبریری۔ ایک کونے میں خورد بین نسخہ (Microfilm) تیار کرنے کے لئے کمرہ ہے۔ ایک الگ کمرہ مخطوطات کے لئے مخصوص ہے۔

یہیں سے انجمن کا ترجمان "ہماری زبان" نکلتا ہے۔ یہ اردو رسالوں پرچوں میں سب سے زیادہ شایع ہوتا ہے۔ فی الحال اس کی اشاعت ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ عمدہ سفید کاغذ کے ۴۸ صفحات پر یہ ایک باتصویر رسالہ ہے۔ سالانہ چندہ دس روپئے۔ اس کی ہر اشاعت میں ایک مضمون مع تصویروں کے کسی ایک اردو مخطوطے پر ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اردو کے کسی بڑے ادیب کی مختصر سی سوانح عمری ہوتی ہے۔ ساتھ ہی گھریلو زندگی کی کچھ تصویریں بھی شایع ہوتی ہیں۔

پوری دنیا میں انجمن کی دو ہزار شاخیں قائم ہیں۔ دنیا کی تمام زبانوں کی انجمنوں سے اس کے گہرے مراسم ہیں۔ دنیا کی تمام زبانوں میں اردو سیکھنے کی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ Lingaphone کی طرز پر خود انجمن ترقی اردو، اردو سکھانے کا کام سنبھالے ہوئے ہے۔ ہر سال انجمن اردو کے عالموں میں سے دس اشخاص کو غیر ملکی زبانوں میں مہارت پیدا کرنے کے لئے باہر بھیجتی ہے اپنے خرچ پر، نتیجے کے طور پر، غیر ملکی زبانوں کے کلاسکس اردو میں دھڑا دھڑ ترجمہ ہو رہے ہیں۔

اب ہندستان میں اردو دشمنی کی وہ فضا قائم نہیں ہے۔ اردو کی، ایک عظیم زبان کی حیثیت سے، ہر شخص کے دل میں عزت ہے۔ حکومت کی نظروں میں اب یہ ملعون نہیں ہے۔ ہندی کے بعد اردو کا نمبر ہے۔

انجمن ترقی اردو کی سرپرستی میں ایک "بین الاقوامی اردو لغت" تیار ہو رہی ہے، ابھی ابھی اس کی پہلی جلد نکلی ہے۔ یہ ۵۰۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں صرف حرف الف کا بیان ہے۔ متعلقہ حلقوں کا خیال ہے کہ یہ لغت شاید کئی سو جلدوں پر جا کر مکمل ہو۔ یہ ایک تحقیقی اردو لغت ہے اور اردو کے ماہرین لسانیات اسے تیار کر رہے ہیں۔ گو یہ اردو کی لغت ہے مگر اس میں دنیا بھر کی زبانوں کے الفاظ ضمنی طور پر آ گئے ہیں اور یہ تحقیق کی گئی ہے کوئی لفظ کیوں کر بنا اور کس طرح صورت بدلتا ہوا کون کون سی زبان میں گھس پڑا۔ اس میں بے شمار تصویریں بھی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ لسانیات، صوتیات وغیرہ کے مختلف موضوعات پر ڈھیر ساری کتابیں شایع ہو رہی ہیں۔ دنیا بھر کی زبانوں کے سیکھنے کی اردو کتابیں چھپ رہی ہیں اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہیں۔

انجمن کی کوشش سے اردو زبان کو ایک عمدہ ٹائپ مل گیا ہے اور اب اردو کا تمام کام "ٹائپ" میں ہوتا ہے۔ انجمن ہی کی کوشش سے اردو یونیورسٹی کی آسمان رس (Skyscraper) عمارت زیر تعمیر ہے۔

— خواب و خیال کی دنیا، اے کاش حقیقت کا لبادہ اوڑھے!

(اقبال کرشن)

اُردو محل

"ہماری زبان" کے یکم نومبر ۱۹۶۲ء کے شمارہ میں انجمن کی جو نئی عمارت بن رہی ہے اس کے نام کے بارے میں دو تجویزیں پیش ہوئی ہیں، "غالب کدہ" اور "اردو بھون"۔

جناب اقبال کرشن صاحب کی تجویز "غالب کدہ" تو جناب ڈاکٹر جعفر حسن صاحب کے "غالب ہاؤس" کے خلاف تردیدی دلائل سے مسترد ہو ہی جاتی ہے اس لئے رہ گیا مسئلہ ایک "اردو بھون" کا۔

تاج محل، رنگ محل، خاص محل، موتی محل اور شیش محل جیسے الفاظ کے حسن اور مقبول عام ہونے سے بھلا کسے انکار ہو سکتا ہے لیکن کیا کہوں یہ ہو اس لسانی تنگ نظری کا کہ آج شاہی محل اور راج محل پر بھی "راج بھون" کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔

میں نہیں سمجھ سکا کہ "اردو بھون" کی تجویز ڈاکٹر صاحب موصوف کے ذہن میں کیونکر آ سکی ہے اور "بھون" نے ان کے ذوق لطیف پر کیا اثر ڈالا ہے لیکن بھائی میرے مجھے تو اس بات کا اقرار ہے کہ میرے ذوق اور وجدان پر یہ لفظ بہت گراں گزرتا ہے، میرا خیال ہے کہ اردو دوست عوام جن کا عام ذوق بھی بہت لطیف تسلیم کیا گیا ہے، اس لفظ کے بھدے پن کے سبب آپ کی تجویز سے ہرگز اتفاق نہیں کر سکیں گے۔

میری رائے ہے کہ آپ راشٹرپتی بھون، وگیان بھون اور کرشن بھون وغیرہ کے مقابلے میں "اردو بھون" کی تجویز نہ رکھ کر تاج محل، رنگ محل، شیش محل، خاص محل، شاہی محل اور راج محل کے مقابلے میں "اردو محل" کی تجویز پیش کریں تو اس کی تائید اکثر و بیشتر حضرات کر سکیں گے۔

(ناظم سیواتی سہسرامی)

ہماری زبان

یکم نومبر کے شمارے میں چین کے حملے کے متعلق "ہماری زبان" کے اداریہ میں جس پیرائے میں مذمت کی گئی ہے بہت خوب ہے اور جس انداز سے ہندستان کے ہر فرد کو متحد ہو کر چین کی بربریت کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے قابل تحسین ہے۔ اس بات کے لئے میں کافی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ آج ہم ایک ایسی منزل سے گزر رہے ہیں جہاں صرف ایک ہی مسئلہ ہمارے سامنے ہے کہ کیسے اپنے ملک کی حفاظت کریں۔ چینی حملے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہم ایک قوم ہیں۔ ہم اپنے گھریلو مسئلوں میں اُلجھے رہنے کے باوجود اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ بڑے سے بڑے دشمن کی کلائی مروڑ دیں۔ آج بھارت کو نہ کسی ہندو کی ضرورت ہے، نہ مسلمان کی، نہ سکھ کی، نہ عیسائی کی بلکہ ایک اولوالعزم سپاہی کی ضرورت ہے جو اپنے دیس کی آزادی کے لئے اپنی ہر چیز قربان کر سکے۔ تن من دھن ہر طرح سے تیار ہو۔

(اشفاق احمد اعظمی)

ضیاء احمد بدایونی

تبصرہ

اسلامی دُنیا (چوتھی صدی میں)

از حافظ غلام مرتضیٰ استاذ عربی و فارسی۔ الٰہ آباد یونیورسٹی۔
ناشر۔ حافظ نعمان احمد ۵۔ احمد گنج تکیہ۔ الٰہ آباد ۳
قیمت درج نہیں۔

اسلامی تاریخ میں چوتھی صدی ہجری اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس میں ایک طرف علماء اسلام نے علوم و فنون میں نمایاں ترقی کی اور ممتاز علماء و فضلاء پیدا کئے۔ اور دوسری طرف سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے حکومتیں اور عوام پستی کی انتہا کو پہنچ گئے تھے۔ حافظ صاحب نے عہد مذکور کی تاریخ پر غائر نظر ڈالی ہے۔ اور اُس زمانے کے مذہبی حالات کا نقشہ بہت خوبی سے کھینچا ہے۔ چوتھی صدی کی سیاست اور تہذیب پر تو متعدد اہل قلم نے لکھا ہے۔ لیکن مذہبی فضا کے بارے میں کوئی مستقل کتاب موجود نہ تھی۔ فاضل مولف نے عربی اور انگریزی ماخذ کا مطالعہ کر کے بہت مفید اور دلچسپ معلومات یکجا کر دی ہیں جس پر وہ مستحق تبریک ہیں۔ کتاب کے شروع میں مقدمہ ہے جس میں مختلف اسلامی فرقوں کا مختصر تذکرہ اور ائمہ مجتہدین کے حالات دے دئے ہیں۔ اس کے بعد ہر اقلیم کی کیفیت پر جداگانہ تبصرہ کیا ہے۔

در اصل بنی امیہ کے عہد سے لے کر آخر تک نام نہاد "امرائے مومنین اور خلفائے رسول" (بہ استثنائے بعض) دینی مرکز سے ہٹتے ہی چلے گئے۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے بادشاہوں اور امیروں نے بھی وہی عیش و نشاط، رقص و سرود۔ ظلم و تعدی کی راہ اختیار کی۔ ہر کہ آمد بر آں مزید کرد مصیبت تنہا نہیں آتی۔ ادھر اخلاقی زوال۔ اُدھر سیاسی بحران کے ساتھ معاشی انحطاط۔ اس کے علاوہ سنی شیعہ کے جھگڑے۔ احناف، شوافع اور حنابلہ کے بلوے۔ غرض ان نامساعد حالات کے باوجود یہ اسلام کا معجزہ تھا کہ اُسی زمانے میں بڑے بڑے ارباب علم پیدا ہوئے اور اپنی گراں قدر تصانیف اور علمی و دینی خدمات سے عالم اسلام کو فیض پہنچایا۔

کتاب مذکور کے صفحہ ۲۵ پر حضرت امام ابن حنبلؒ کے امتحان کا واقعہ عباسی خلیفہ واثق کے عہد میں ۲۲۰ھ میں دکھایا ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ معتصم کے زمانۂ خلافت میں ۲۲۰ھ میں پیش آیا۔ اور واثق کا عہد ۲۲۰ھ نہیں بلکہ ۲۲۷ھ سے شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ کتاب کوئی ادبی ڈیگسٹ نہیں ہے تاہم الفاظ کی تذکیر و تانیث سے متعلق قدم قدم پر بے احتیاطی طبیعت کو کھٹکتی ہے۔ بہت سے اسماء و اعلام غیر معروف ہیں۔ اگر ان کی حرکات ضبط کر دی جاتیں تو زیادہ مفید ہوتا۔ ان اسقام کے باوجود کتاب کی افادیت اور مولف کی محنت لائق تحسین ہے۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں ناگزیر ہیں)

اُردو کے کلاسیکی شعراء پر تنقیدی مضامین (میرؔ سے آتشؔ تک)

مرتب۔ ایم۔ حبیب خاں
سائز۔ $\frac{20 \times 30}{16}$ ، صفحات ۲۱۲
ناشر۔ انڈین بک ہاؤس۔ قاضی پاڑہ۔ علی گڑھ۔
قیمت جلد اول مجلد تین روپے ۲۵ نئے پیسے۔

پاندان والی خالہ

مصنف۔ تخلص بھوپالی
سائز۔ $\frac{20 \times 30}{16}$ ، صفحات ۲۷۵
ناشر۔ پنچ بھون پبلیکیشنز۔ جہاں گیر آباد۔ بھوپال
قیمت۔ دو روپے ۷۵ نئے پیسے۔

آئینۂ حیرت

مصنف۔ عبد المجید حیرت
سائز۔ $\frac{20 \times 30}{16}$ ، صفحات ۱۳۶
ناشر۔ مکتبہ الحسنات۔ رام پور۔
قیمت۔ دو روپے

منشی پریم چند۔ شخصیت اور کارنامے

مرتب۔ ڈاکٹر قمر رئیس
سائز۔ $\frac{20 \times 30}{16}$ ، صفحات ۴۴۰
ناشر۔ مکتبہ غالبہ۔ رام پور
قیمت۔ سات روپے ۵۰ نئے پیسے۔

افکار عبد الحق

مرتبہ۔ آمنہ صدیقی
ناشر۔ اردو اکیڈیمی۔ سندھ کراچی
سائز۔ $\frac{20 \times 30}{16}$ ۔ قیمت دس روپے۔

امر جوت

مصنف۔ بنکٹ پرشاد
سائز۔ $\frac{20 \times 30}{16}$ ، صفحات ۱۵۹
ملنے کا پتہ۔ کتاب خانہ۔ عابد روڈ۔ حیدر آباد دکن
قیمت۔ تین روپے۔

ادارہ انجمن ترقی اردو علی گڑھ، پبلشر و پرنٹر ضیاء الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا